قاری محمد معاویہ

شیعیت اور امامت کا گورکھ دھندہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر رحم فرمایا کہ انسانوں کی ہدایت کے لئے پے در پے انبیاء کرام علیہ السلام تشریف لاتے رہے اور اپنی پوری قوت سے اللہ کی مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا پیغام سناتے رہے ۔ نہ صرف یہ بلکہ اللہ تعالیٰ کا پیغام سنانے میں جو اللہ کی مخلوق یعنی ان کی امتوں نے انبیاء کرام علیہ السلام کو تکلیفیں دیں ان پر صبر بھی کیا بلکہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو جس قدر مرتبے دئے ہیں اسی قدر اللہ تعالیٰ نے اپنی اس پاک مخلوق کو امتحانات میں بھی ڈالا ۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ آخری نبی ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ایسے قیمتی شاگرو عطا فرمائے وہاں اس امت میں ایسے ایسے اللہ نے محدث اور امام پیدا فرمائے کہ دنیا آج بھی ان کی قرآن فہمی حدیث رسول سمجھنے کے اصول ترتیب دینے کی مداح ہے ۔ رسول اللہ نے ایسے شاگرد تیار کئے کہ ماضی قریب کے ایک مفکر مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں :

" اس امر بدیہی پر سب کا تقریباً اتفاق ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جو قرآن حکیم کے اولین مخاطب تھے قرآن کے فہم و معرفت میں کسی طرح کی دشواری محسوس نہیں ہوئی ۔ وہ سنتے ہی اس کی حقیقت کو پالیتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے اس دین کو باقی رکھنے کے لئے ایسے ایسے انسان پیدا کئے کہ باطل کوشش کے باوجود حق کو مٹا نہ سکا ۔ اس دین کے صرف ایک مسئلہ کی خاطر ابن حنبل رحمہ اللہ علیہ نے اتنے کوڑے کھائے کہ پیٹھ سے گوشت اڑ گیا تھا ۔ یہاں ان حضرات کی قربانیاں بیان کرنا مقصود نہیں ۔ حدیث و سیر کی کتب گواہ ہیں ان حضرات نے عمریں صرف کردیں قرآن و سنت سمجھنے کے لئے ۔ یہاں بیان کا مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس

دین کو باقی رکھنے کے لئے ہر زمانے میں کسی نہ کسی شخصیت کو ایسا فہم دیا کہ آج ہمارے پاس قرآن مجید کی بیسیوں تفسیریں ہیں ۔ حدیث کی بڑی بڑی کتابیں موجود ہیں اور مختلف علاقوں میں مختلف ترجمے ہو رہے ہیں ۔ رجال کی کتابیں اس وقت عربی کے علاوہ بھی دوسری زبانوں میں ترجمہ ہو رہی ہیں بلکہ قرآن وسنت پر اس دور میں جو کام ہو رہا ہے کتابیں کیسٹس بڑے بڑے کتب خانے اور پھر ریسرچ کے اس قدر ادارے اور ایسے ایسے محقق حضرات پیدا ہو رہے ہیں کہ اس دین کو مٹانے والوں کی حالت کچھ اس لومڑی کی طرح ہو گئی ہے کہ جس کو جنگل میں اونٹ بیٹھا نظر آیا ۔ بھوک نے اس قدر بے تاب اور کمزور تھی اونٹ کے گرد چکر لگانے لگی ۔ کسی طرف سے بھی اس کو گوشت کا کوئی لوتھڑا نظر نہ آیا ۔ جونہی اس نے منہ کی طرف دیکھا تو اونٹ کا نیچے والا ہونٹ گرتا ہوا نظر آیا اور اسی کے انتظار میں بیٹھ گئی کہ ابھی یہ بوٹی گرتی ہے تو کھا لیتی ہوں ۔ اونٹ شام کو گھر چلا گیا مگر لومڑی بے مراد جنگل میں اب تک سرگرداں پھرتی ہے ۔ جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے ، کفر کی آنکھ اس دن کھلی ۔ یہود نے دیکھ لیا تھا کہ جس ہستی کا ذکر ہم اپنے بڑوں سے سنتے آئے تھے یہ وہی ہیں کیونکہ آتے ہی یہود کے بڑے بڑے علماء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کتاب کی روشنی میں پرکھا تھا ۔ اس پہچان کو قرآن کو بڑے واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے ۔ سورۂ بقرہ میں ہے : " الذین اتیناہم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناءہم " ... (ترجمہ : آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں) ان میں جو خوش قسمت تھے وہ عبد اللہ ابن سلام بنے اور جو بد بخت تھے وہ ابن ابی کا کردار بن گئے غرضیکہ اسی دن سے کفر کے پیٹ میں مروڑ اٹھ رہے ہیں ۔ اس بات کا ثبوت دینا قطعاً ضروری نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہ صرف دین کے ایک ایک جز پر عمل کیا بلکہ اس دین کو پھیلانے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں ان سے تابعین نے ان سے تبع تابعین نے دین سیکھا اور دوسروں کو سکھایا ۔ پھر ائمہ کرام نے بہت محنت کی اور چراغ سے چراغ جلتا ہوا آج بھی دین ہمارے پاس ویسے کا

ویسا موجود ہے اور یہی بات ہے امام ابوحنیفہ ہوں یا ابن تیمیہ ' ابن حنبل ہوں یا ابن حزم اندلسی حجاز والے ہوں یا شام والے ۔ ان حضرات کی کھرے نیتوں کی وجہ سے دین زندہ ہے ۔ یہ عقیدہ تو ہے اہلسنّت کا ۔ اللہ کی رحمتیں ہوں ان حضرات پر جس حال میں بھی رہے امت کے لئے دین پر محنت کرتے ہی رہے ۔ کفر کے جتنے طبقوں نے بھی اسلام کا مقابلہ کیا اکثروں نے مردوں کی طرح میدان میں مقابلہ کیا لیکن ایران اور یہود چونکہ کاری ضرب کھا چکے تھے ۔ ایران کی صدیوں پرانی ریت کہ عوام کمائے اور بادشاہ کھائے اور شاہی غرور خاک میں مل چکا تھا ۔ ایرانی عوام کو بادشاہوں نے یہ سبق اچھی طرح یاد کرا دیا تھا کہ بادشاہ کا خاندان دیوتا کا خاندان ہے ۔ اس خاندان کا بڑے رب سے بڑا گہرا تعلق ہے ۔ اس لئے سوائے اس خاندان کے کوئی بادشاہ نہیں بن سکتا ۔ جو کوئی یہ کوشش کرے گا وہ تباہ و برباد ہو جائے گا ۔ تاریخ میں موجود ہے کہ ایرانی بادشاہ جس باغ میں بیٹھ کر پیتا تھا وہ اسی مربع فٹ کی جگہ میں جو مصنوعی باغیچہ تھا اس میں جو پانی کی نالیاں چلتی تھیں چاندی کی ہوتی تھیں اور اس میں جو پھولوں کے بوٹے لگائے جاتے تھے وہ سونے کے ہوتے تھے اور اس میں جواہرات سے پھول پھل بنائے جاتے تھے اور دور سے دیکھنے والا نہیں پہچان سکتا تھا کہ اصلی ہیں یا مصنوعی ۔ تو جب یہ حال بادشاہ کا ہو تو عوام کو تو بھوکا مرنا ہی پڑے گا ۔ آتش کدے کا پروہت اور شاہی خاندان ہمیشہ اکٹھے عوام کو بے وقوف بناتے تھے اور مزے کی بات کہ بادشاہ اپنی حفاظت کے لئے ہزاروں پہلوان پال رکھتے تھے ۔ رستم کے متعلق تاریخ میں ہے کہ اپنے پیچھے دس من کا وزنی لوہا رکھ کر اپنے آپ کو اس سے باندھ لیتا تھا ۔ مد مقابل یہ نہ سمجھے کہ پہلوان ہار مان کر بھاگ جائے گا بلکہ دوسرے آدمی کو یقین ہو جاتا تھا کہ دونوں میں سے ایک کی موت اور دوسرے کی فتح لیکن جب یہ پہلوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوانوں کے مقابلہ میں آئے تو گاجر مولی بن گئے ۔ کہتے ہیں جس صحابی نے رستم کی گردن جدا کی تھی ان کے پاس لباس بھی پورا نہیں تھا ۔ یہی تو ایرانیوں کو حیرت اور پشیمانی تھی کہ یہی تو وہ عرب ہیں جنہیں ہم نے آج تک اتفاق سے رہنے تک نہ دیا ۔

ان میں کون سی طاقت آگئی ہے جس نے ہمارے رعب اور دبدبے کا اثر بھی زائل کردیا اور یہ اس قدر دلیر ہو گئے ہیں ۔ صرف ایک سے ڈرتے ہیں ۔ صحابہ کرام کی ان فتوحات نے ان کو کچھ ایسا بے بس کردیا کہ بظاہر مسلمان ہوتے گئے لیکن ان کے دل اپنی شان و شوکت یاد کر کے اداس ہو جایا کرتے تھے ۔ انسان پرستی کے افیون کی یہ عادی قوم اسلام کو دل سے قبول نہ کر سکی اور نفرت کی آگ میں جلتے ہوئے کبھی ملک کے اس کونے میں کبھی اس طرف کوئی نہ کوئی شرارت کرتے ہی رہے ۔ مدینہ سے جو یہودی اپنے کرتوتوں کی وجہ سے نکالے گئے تھے وہ بھی کونوں کھدروں میں گھس کر آئندہ کے لئے اپنی بقا اور اسلام کی بیخ کنی کے لئے منصوبے بنا رہے تھے ۔ ایرانی بھی کوئی دیوتا تلاش کر رہے تھے کہ اسی دوران یمن کا ایک یہودی جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رجعت کا قائل تھا ۔ کپڑے کے تاجر کا وہ چالاک بیٹا یمن کے شہر صنعا سے چلتا ہے اور سیدنا عثمان کے دور میں مدینہ آکر بظاہر مسلمان ہو جاتا ہے ۔ مدینہ میں اس نے دیکھا کہ ایک عربوں کی غلام قوم انسان پرستی میں اپنا ثانی نہیں رکھتی اس یہودی کے مکار ذہن نے اسے خوب پہچانا ابن سبا کو ایرانی جہاں کہیں بھی نظر آئے اس نے اپنی تبلیغ شروع کر دی ۔ کوفہ اور بصرہ چونکہ ان کے مرکز تھے اور انہی علاقوں میں کچھ عیسائی بھی مسلمان ہو چکے تھے عیسائی بھی چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کے قائل ہیں ۔ ابن سبا خود موسیٰ علیہ السلام کی آمد کا قائل تھا ۔ اس نے اس قوم پر محنت کی اور ان میں ایسی تبلیغ کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوبارہ دنیا میں آنا منوالیا ۔ لوگ اس بات کو قبول کرنے لگے تو اس نے کہنا شروع کیا کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے موسیٰ علیہ السلام کے وصی یوشع بن نون تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی علی ہیں ۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود نہیں آئیں گے بلکہ سیدنا علی کو بھیجیں گے ۔

یہیں سے امامت کی داغ بیل ڈالی گئی ورنہ امام تو صرف پیشوا ہی ہے جس کی کسی طرح اقتدا کی جائے یا کسی فن میں مہارت حاصل کرے جیسے ہم کہتے ہیں فلاں صاحب

علم قرات کے امام ہیں فلاں فن حدیث میں امام ہیں فلاں ادب کے امام ہیں یا پھر جن صاحب کو نماز بڑھانے کے لئے مصلے پر کھڑا کیا جاتا ہے امام کہلاتا ہے ۔ لیکن شیعیت کو چونکہ انسان پرستی اور مکاری ورثہ میں ملی ہوئی ہے انسان پرستی ایرانیت اور مکاری یہود سے ملی ۔ اس لئے شیعیت نے امام کی شخصیت کو وہ ڈھلکیاں دیں کہ امام بھی کیا یاد کریں گے جب قیامت کو ان حضرات کا سامنا ہو گا ۔ اپنے عقیدت مندوں سے تو یہی امام اللہ سے پناہ مانگیں گے اور اس سے پیچھا چھڑائیں گے ۔ آیئے شیعیت سے پوچھتے ہیں امامت کیا ہے ۔

سید نصیر حسین نقوی صاحب اپنی کتاب مسئلہ امامت میں صفحہ نمبر ۱۱ پر تعریف امامت کا باب باندھتے ہیں ۔ فرماتے ہیں ۔ امام لغت میں پیشوا مقتدا رہبر رہنما کے معنی میں آیا ہے یعنی لوگ اپنے تمام کاموں میں جس کی پیروی کرتے ہیں اسے اپنا رہبر جانتے ہیں ۔

ہمارا موضوع چونکہ مسئلہ امامت کتب شیعیت کی روشنی میں ہے لہذا امامت کے کرشمے شیعی کتب سے ہی دیکھے جائیں گے ۔ شیعہ حضرات کے پہلے امام سیدنا علی ہیں ۔ آیئے ان کے بارے میں دیکھئے کتب شیعہ کیا کہتی ہیں ۔

تفسیر اساس البیان جلد اول جز اول کے صفحہ ٦٥ پر سید علی احسن رضوی لکھتے ہیں

رسول کریم کو یہ حکم ہے کہ ہمارے بیانات کو انسانوں تک پہنچاؤ ۔ چونکہ کسی قوم یا قبیلہ کی تخصیص نہیں لہذا آپ کل انسانوں پر مبعوث ہوئے ۔ بالکل اسی ہیئت اور انہیں مطالب پر مشتمل ایک اور منشور رسالت قرآن مجید موجود ہے جس میں ائمہ اثنا عشر کو مامور بہ رسالت فرمایا ہے ۔ یہ سورہ حج کا آخری رکوع ہے ۔

یہاں پہلا سوال یہ گا کہ امام رسول کیونکر ہو سکتے ہیں ؟

جواب یہ ہے کہ قرآن میں رسول اس کو فرمایا ہے جو رسالت (پیغامات) الہی پہنچانے پر خدا کی طرف سے مامور ہو ۔ کتاب کی حفاظت کرنے اور امت تک پہنچانے کا

ائمہ معصومین کا مامور من اللہ ہونا ثابت ہے جس کا ثبوت ہم ابھی سورہ حج سے بھی پیش کریں گے ۔ لہٰذا ائمہ معصومین رسول ہیں ۔

یہ عقیدہ شیعہ اثنا عشری تمام کا ہے ۔ یاد رہے کہ موجودہ دور کے شیعہ علماء اپنے متقدمین علماء سے اکثر باتوں سے اختلاف کرتے ہوئے کہہ دیتے ہیں فلاں حضرت قبلہ نے جو روایت فلاں لکھی ہے ہمیں اس سے اختلاف ہے کیونکہ اب تو شیعہ حضرات اپنی امہات کتب سے بھی روگردانی کر رہے ہیں چنانچہ حالیہ اصول کافی کے مترجم سید ظفر حسن صاحب امروہی اصول کافی کے مقدمہ میں صفحہ نمبر ۹ پر لکھا ہے ۔ بعض اکابر کے کلام سے معلوم ہوتا کہ کتاب کافی میں سولہ ہزار ایک سو ننانوے احادیث ہیں ۔ اس کتاب میں ضعیف روایتیں بھی ہیں ۔ آگے چل کر لکھتے ہیں ۔ یہ قول کہ حضرت حجت نے اس کتاب کے متعلق فرمایا ہے ۔ یہ ہمارے شیعوں کے لئے کافی ہے ۔ صحیح نہیں ہے ۔ اس لئے چونکہ کلینی علیہ الرحمہ کو احادیث کی تلاش میں بیس سال تک برابر جا بجا جانا پڑا اور جہاں سے جو حدیث ملی اس کو لے لیا ۔ لہٰذا بہت سی احادیث ایسی بھی ان کو ملی ہیں جن کو لوگوں نے بصورت تقیہ بیان کیا ۔ آگے چل کر سائل کو بھنور میں ڈالنے کے لئے ایک اور اصول ترتیب دیا ہے ۔ فرماتے ہیں ۔ بنا بریں اصول کافی کی تمام احادیث عند المتقدمین صحیح نہیں مگر متاخرین کے نزدیک کچھ صحیح ہیں کچھ حسن کچھ موثق کچھ ضعیف وغیرہ ۔

ہم نے دیکھا کہ لومڑی اپنے گھر کے آٹھ دس راستے بناتی ہے ۔ ہر عقل مند آدمی اس بات سے واقف ہے کہ وہ ایسا کیوں کرتی ہے ۔

اس لئے ہم نے جو بھی حوالہ جات لکھے ہیں سال کے شیعہ حضرات کی تصنیف ہیں ۔ ایرانی نو مسلموں کو جب ابن سبا نے اپنے رنگ میں رنگنا شروع کیا تو صدیوں سے انسان پرست ذہنوں نے ہر خرافات کو خندہ پیشانی سے قبول کیا اور جن صاحبان کو ابن سبا نے امام معصوم اور مامور من اللہ کہا اور ایسی ایسی کہانیاں منسوب کیں کہ اللہ امان ۔۔ چنانچہ سید محمد سبطین صاحب سرسوی کوکب دری کے مقدمہ کے صفحہ نمبر ۵۵ پر لکھتے

ہیں ۔ حضرت صادق فرماتے ہیں خدا لعنت کرے عبد اللہ بن سبا پر کہ اس نے امیر المومنین علی کے لئے الوہیت اور ربوبیت کا دعویٰ کیا ۔ لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ حال کے شیعہ حضرات نے واقعی صرف خدا نہیں کہا باقی ان اللہ کے نیک بندوں کے متعلق وہ کچھ کہا کہ ایک مسلمان کو پڑھتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوتے ہے ۔

جناب ملا باقر علی صاحب فضائل مرتضوی میں سیدہ فاطمہ بنت اسد جب بیت اللہ میں جاتیں تو یوں دعا مانگتیں ۔ سوال کرتی ہوں میں تجھ سے بحق اس شخص کے کہ جس نے یہ خانہ محترم بنایا اور بحق اس فرزند کے کہ جو میرے شکم میں ہے اور میرے ساتھ باتیں کرتا ہے ۔

اب سیدنا علی کی پیدائش کا حال سنئے ۔ غرض جبکہ ابوطالب نے اپنے فرزند ارجمند کو دیکھا تو نہایت خورسند و خوشنود ہوئے جناب امیر بھی اپنے پدر بزرگوار کو دیکھ کر متبسم ہوئے اور بایں عنوان سلام کیا السلام علیک یا ابت ورحمہ اللہ و برکاتہ ۔ یہیں پر بس نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سامنے آئے تو ان کو دیکھ کر صرف سلام ہی نہیں بلکہ سورہ مومنون بھی پڑھ کر سنائی ۔ جو ابھی تک پیغمبر پر بھی نہیں اتری ۔ لیکن جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے ۔ مصنف لکھتے ہیں جب آیہ قد افلح المومنون الذین ہم فی صلوتھم خاشعون پر پہنچے گویا سورہ مومنون کہیں پیچھے سے شروع ہو رہی ہے حالانکہ مذکورہ آیت ہی پہلی آیت ہے ۔

یہیں پر بس نہیں جب فاطمہ بنت اسد نے اپنے نومولود چھ سات گھنٹے کے بچے کو جو کپڑے پہنائے وہ بھی پھاڑ دئے ۔ فضائل مرتضوی کا مصنف صفحہ نمبر ۸ پر لکھتا ہے ۔ فاطمہ نے موافق عادات اور اطفال کے جناب امیر کو بھی ایک پارچہ میں لپیٹا اس معجز نما بقوت خدادا اس پارچہ کو پھاڑ کر ہاتھ باہر نکال دئے ۔ پھر ثانیاً اور پارچہ لپیٹا اس کو بھی پھاڑ ڈالا ۔ آخر دو پارچوں میں پھر تین پارچوں میں لپیٹا اور ہر بار ان کو بھی پھاڑ پھینکا۔ چار ہو کر جامہ دیبا مضبوط میں پیٹ کر اس پر پوست لپیٹا پھر بھی اس قوت بازوئے رسول مختار نے اس کو بھی پھاڑ پھینکا ۔ ہاں جناب یہ وہ ہستی ہیں کہ بقول رافضیت کئی

سال تک تقیہ کر کے شیخین رضوان اللہ علیہم کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتے رہے اور بیعت بھی کرتے رہے ۔ اور جب جائداد کی ضبطی ہوئی (باغ فدک) تو خود تو گھر بیٹھ گئے اور سیدہ فاطمہ کو سواری پر بٹھا کر پورے شہر میں پھرایا کہ ابوبکر کی بیعت توڑ دو ۔ علی کی بیعت کر لو ۔ خلافت انہی کا حق ہے اور جو باغ ابوبکر نے مجھ سے چھین لیا ہے واپس دلواؤ ۔ ایک طرف تو سیدہ فاطمہ کی وصیت موجود ہے کہ میرے اتنے باغ ہیں میرے مرنے کے بعد علی کو دے دئے جائیں اور دوسری طرف خود بھی اور بچے بھی بھوک سے بلبلا رہے ہیں ۔ ملاں باقر مجلسی بحار الانوار کے جلد نمبر ۳ صفحہ ۲۰۲ میں لکھتے ہیں :

کشف الغمہ میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ امام محمد باقر علیہ السلام نے ایک صندوق سے ایک کتاب نکالی ۔ اس کو پڑھا اس میں جناب فاطمہ زہرہ سلام اللہ علیہا کی وصیت درج تھی ۔ اس وصیت نامہ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد درج تھا یہ وہ امور ہیں جن کی وصیت فاطمہ بنت محمد کرتی ہے ۔ وصیت یہ ہے کہ ان کے سات باغ علی کے لئے ہیں ۔ پھر ان کا انتقال ہو جائے تو حسن کے لئے ۔ ان کے انتقال کے بعد حسین کے لئے ۔ وصیت بہت لمبی ہے ۔ طوالت کے خوف سے یہاں تک اشارہ کر دیا ہے اس آگے وصیت کا خلاصہ یہی ہے کہ ساتوں باغ اسی خاندان میں رہیں گے ۔

اس کے گواہ سیدنا مقداد اور زبیر بن عوام اور کاتب سید علی ہیں ۔ قارئین کرام بتائیے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کی یہی تربیت کی تھی کہ ہمیشہ مال دنیا کے پیچھے بھاگتے رہنا جب سیدہ کے پاس سات باغ موجود ہیں تو اب جائداد فدک کا مطالبہ کرنا چہ معنی ۔ پھر یہ کام تو گھر کے سربراہ کا تھا کیوں سیدنا علی گھر بیٹھے رہے اور سیدہ کو کبھی ووٹ مانگنے بھیجتے رہے کبھی باغوں کا مطالبہ ۔

اور مزہ کی بات ہے اتنی جائداد ہونے کے باوجود سیدہ فاطمہ ہمیشہ فاقہ سے رہیں چنانچہ بحار الانوار جلد نمبر ۳ صفحہ ۱۷۵ پر ملاں باقر مجلسی لکھتے ہیں ۔ ایک دفعہ سیدہ فاطمہ اپنے بابا کے گھر آئیں ۔ ام ایمن نے درواز کھولا تو جناب فاطمہ زہرہ داخل ہوئیں ۔

آنحضرت نے پوچھا بیٹی آج خلاف معمول اس وقت کیسے آئی ہو ۔ جناب فاطمہ نے فرمایا ۔ بابا جان یہ فرمائیے کہ فرشتے کس چیز کو اپنی غذا بناتے ہیں ۔ آنحضرت نے فرمایا حمد الٰہی فرشتوں کی غذا ہے ۔ حضرت فاطمہ نے پوچھا اور ہماری غذا کیا ہے ۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا بیٹی اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ایک ماہ سے سارے آل محمد کے گھروں میں آگ بھی روشن نہیں ہوئی ۔

سوال یہ ہے کہ ان سات باغوں کی آمدنی کہاں جاتی تھی کہ گھر میں فاقے ہیں ۔ اگر سبائی حضرات یہ کہیں کہ سیدنا علی ساری آمدنی محتاجوں میں تقسیم کر دیتے تھے تو سیدہ فاطمہ کی فریاد کیسے ۔ ہمیں تو اس گورکھ دھندہ کی سمجھ نہیں آتی کہ کبھی تو جنت سے کھانے آ رہے ہیں کبھی سیدہ فاطمہ کے چکی پیس پیس کر ہاتھوں کر چھالے بن جاتے ہیں ۔ یہ تو بھلا ہو جبریل علیہ السلام کا کہ سیدہ کا ہاتھ بٹا دیتے تھے اور چکی سے آٹا پیس دیا کرتے تھے ۔

سوال یہ ہے کہ اتنا آٹا جاتا کہاں تھا کہ سیدہ ہر روز اپنے بابا کے گھر پہنچی ہوئی ہیں کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ سیدنا علی تو کھانا کھا لیتے تھے مگر آپ کے صاحبزادے بھوک سے بلکتے رہتے تھے ۔

قارئین کرام ہماری کسی سے عداوت نہیں نہ کسی کی دل آزاری مقصود ہے ۔ لیکن کچھ خرافات ایسی ہیں کہ دل کانپ جاتا ہے ۔

ابو بصیر نے حضرت ابو عبد اللہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی پر جناب فاطمہ کی زندگی میں تمام عورتوں کو حرام کردیا تھا ۔ سائل نے دریافت کیا کہ ایسا کیوں تھا ۔ آپ نے فرمایا کہ جناب فاطمہ زہرہ طاہرہ و مطہرہ تھیں ۔ آپ کو حیض نہیں آتا تھا ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ...... معاذ اللہ یہ سبائی ملا باقر کیا کہنا چاہتا ہے (بحار الانوار جلد ۳ صفحہ ۱۷۶)

اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۳۸ پر امام حسن اور امام حسین کو رسول اللہ کی صلبی اولاد لکھا ہے ۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو جعفر محمد باقر علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا اے ابو الجارود ! لوگ امام حسن اور امام حسین کے متعلق کیا کہتے ہیں میں نے عرض کیا لوگ انکار کرتے ہیں وہ فرزندان رسول نہیں ہیں ۔ آپ نے فرمایا پھر تم نے ان لوگوں کے سامنے ان کے قول کی مخالفت پر کونسی دلیل پیش کی ۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے اللہ تعالی کے اس قول سے ان کی رد کردی جو اللہ نے حضرت عیسی علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے کہ : و من ذریتہ داؤد ... اس آیت میں اللہ تعالی نے حضرت عیسی ابن مریم کو حضرت ابراہیم کی غربت میں قرار دیا ہے ۔ سوال یہ ہے کہ لوگوں کا انکار کیوں ہے اگر اصطلاح عام ہو تو لوگ کہہ دیتے ہیں یہ فلاں دادا کی اولاد ہے ۔ یہ فلاں نانا کی اولاد ہے مگر یہ صلبی اولاد ' اس بات کو تو واقعی لوگ نہیں مانتے ہوں گے کیونکہ صلبی کا مفہوم سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے ہاں یہ بات سمجھائیے کہ آخر لوگ سیدنا حسن اور سیدنا حسین کو کیوں نہیں اولاد رسول سمجھتے تھے ۔

ہماری سمجھ میں تو یہی بات آتی ہے کہ جس طرح یہودی ابناء اللہ کا دعوی کرتے تھے اسی طرح یہ حضرات ابناء الرسول بن کر لوگوں پر رعب جھاڑتے ہوں گے ۔ استغفر اللہ ۔ معاذ اللہ ۔ یہ سب سبائی بہتان ہیں ۔ ہمارا ایمان ہے کہ حسنین کریمین ایسی بات کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے ۔ اسی طرح ایک حال ہی کا سبائی اپنی کتاب (حرمت بنات رسول علے غیر اولاد رسول) کے صفحہ نمبر ۲۰۷ پر یوں خرافات بکتا ہے ۔ کہ بصرہ میں ام المومنین عائشہ سلام اللہ علیہا نے ابن عباس پر بلا اجازت داخل ہونے سے شرعی اعتراض کیا تھا لیکن امیر المومنین (حضرت علی) اور حضرت امام حسن علیہ السلام پر کوئی اعتراض نہ کیا تھا نیز اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ازواج النبی شریعت میں بیوہ نہ مقرر کی گئی تھیں ۔ کیونکہ بیوہ کو طلاق کی ضرورت نہیں ہوتی اور آنحضرت نے حضرت امیر المومنین کو اپنی ازواج کو طلاق دینے کا اختیار دے رکھا تھا ۔ آگے چل کر بریکٹ میں یہ الفاظ ہیں (یہ خاص راز کی بات ہے ۔ مصنف) کوئی بتا سکتا ہے کہ یہ ولد متعہ کیا کہنا چاہتا ہے کہ اگر سیدنا علی کو (استغفر اللہ معاذ اللہ) نقل کفر لکھ رہا

ہوں ورنہ ایسے الفاظ لکھتے وقت ایک باضمیر انسان کا تو تصور بھی کانپ اٹھتا ہے ۔ ازواج مطہرات صلواہ اللہ علیہم اجمعین تمام مومنوں کی مائیں ہیں جیسا کہ قرآن نے بتایا ہے ۔ یہ سبائی کیا کہنا چاہتا ہے کہ سیدنا علی اپنی ماؤں کے خاوند بھی تھے ۔ بھائی طلاق کا حق تو صرف خاوند کو ہے ۔ اس قوم نے سیدنا علی اور اولاد علی کے ساتھ جو سلوک کیا ہے تاریخ کی کتب میں سب موجود ہے جن حضرات کو انہوں نے امامت کا درجہ دیا ہے ان کے متعلق ان حضرات کے عقائد ہیں قیامت کو وہ سنیں گے تو شرم سے پانی پانی ہو جائیں گے ۔

آپ یقین جانئے ان خرافات سے گھبرا کر ایک شیعہ مصنف محمد حسین ممتاز فاضل لکھنوی اپنی کتاب مجالس امام حسین میں عرض ناشر کے تحت لکھتا ہے ۔ یہ امر قابل صد افسوس ہے کہ گزشتہ چند سالوں سے مجالس عزا کا دینی تقدس اور درس عمل کی تحریک بری طرح متاثر ہوئی ہے ۔ سائنسی دور کی نئی ایجادات بالخصوص فلم نے جہاں پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لیا وہاں مجلس عزا بھی ان اثرات سے محفوظ نہ رہ سکیں ۔ علاوہ ازیں فرسودہ روایات اور غیر مصدقہ مضامین اس منبر پاک سے بیان ہونے لگے جس سے درس عمل کی بجائے بے عملی کا دور دورہ شروع ہوا ۔ آگے چل کر مولف کتاب لکھتا ہے ۔ آج مجالس نے دوسرا رنگ اختیار کر لیا ہے ۔ پہلا انداز باقی نہیں رہا ۔ ذہنی عیاشی کاروباری حیثیت غالب آ گئی ہے اور حسینی سٹیج سے غلط بیانی بکثرت ہو رہی ہے ۔ فضائل ہوں یا مصائب ۔ صحیح کم اور غلط زیادہ بیان ہوتے ہیں ۔ ان حضرات سے کوئی پوچھے کہ آپ کے ذاکروں کو آپ مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں ۔ بتائیے کہ آپ کے قبلوں نے کیا کچھ نہیں لکھا ۔ بحار الانوار کے مصنف جن کا شمار متقدمین میں ہوتا ہے جلد نمبر ۴ صفحہ ۵۴ ۔ ۵۵ پر لکھتے ہیں ۔ ابن علقمی کی کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے نقل کیا ہے جسے ابوالفتح یحیی بن محمد بن حیاء الکاتب نے ایک شخص کے بیان کے حوالے پیش کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں مکہ اور مدینہ کے درمیان حالت سفر میں تھا کہ مخلوق میں سے ایک ایسی شکل مجھے نظر آئی جو کبھی دکھائی دی اور

کبھی غائب ہو گئی ۔ یہاں تک کہ وہ شکل و صورت میرے قریب آ گئی ۔ میں نے جو غور کیا تو وہ سات یا آٹھ سال کے لڑکے معلوم ہوئے ۔ انہوں نے مجھے سلام کیا میں نے انہیں سلام کا جواب دیا ۔ پھر میں نے پوچھا کہ آپ کہاں سے آ رہے ہیں فرمایا خدا کی طرف سے میں نے پوچھا کہ کہاں جانے کا ارادہ ہے ۔ فرمایا خدا کی طرف میں نے پھر کہا کہ کس لئے ۔ فرمایا خدا کے لئے میں نے دریافت کیا کہ آپ کا زاد راہ کیا ہے فرمایا تقوی ۔ میں نے کہا آپ کن لوگوں میں سے ہیں ۔ فرمایا کہ میں ایک مرد عرب ہوں میں نے کہا ذرا وضاحت فرمایئے ۔ فرمایا کہ قریش میں سے ہوں ۔ ان سوالوں اور جوابوں میں ایسی ایسی گوہر افشانیاں ہیں کہ سوائے طوالت کے اور تقیہ کے کچھ نہیں ۔ وہ بیچارہ مسافر سات سال کے بچے سے پوچھنا چاہتا ہے کہ اتنا چھوٹا بچہ کدھر جائے گا مگر وہ بچہ اس مسافر کو پہیلیاں ہی سنائے چلا جاتا ہے ۔ اگر سارے سوال جواب درج کئے جائیں تو کتنا ہی وقت خراب ہو گا ۔ بہرحال پتہ چلا کہ یہ صاحب محمد بن علی بن حسین ہیں جن کو محمد باقر کہتے ہیں ۔ ان کے پاس الہ دین کا چراغ ہے دل چاہے تو بچے بن جاتے ہیں دل چاہے تو کچھ اور بن جاتے ہیں ۔ آخر میں اس مسافر کو چند اشعار سناتے ہیں جن کا مطلب ہے ہم حوض کوثر پر نگران ہوں گے ۔ اس پر پانی کے لئے آنے والوں کو ہم دھتکاریں بھی اور مدد بھی کریں گے ۔ مطلب یہ تھا اس سات سال کے بچے کا کہ حوض کوثر کے بھی ہم مالک ہیں اور جنت دوزخ بھی ہمارے ہی قبضہ میں ہے ۔ اگر بچنا چاہتے ہو تو ہمیں امام مان لو بلکہ ماہنامہ پیام عمل سنہ ۱۹۶۳ جنوری کا شمارہ اس وقت سامنے ہے اس میں ایک مراثی نے جو کچھ کہا ہے مسلمان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے ۔ تمام امت کا یہ عقیدہ ہے کہ حوض کوثر پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوں گے اور وہ ہی ایمان والوں کی پیاس بجھائیں گے ۔ سبائیوں کا عقیدہ اس میں بھی نرالا ہے چنانچہ شاعر اہل بیت شاد گیلانی صاحب جو نقشہ حوض کوثر کا کھینچتے ہیں :

حیدر نے حوض کوثری جب آ کے لے لیا

پیاسوں نے ان کا آسرا گھبرا کے لے لیا
چار پانچ شعروں کے بعد لکھتے ہیں
کچھ لوگ ہچکچائے جو دست کرم بڑھا
لیکن تھی پیاس بغض سے بل کھا کے لے لیا

ان کچھ لوگوں سے مراد ظاہر ہے جو صحیح العقیدہ مسلمان ہوں گے وہی شاعر نے کہا ہے کہ جو سیدنا علی کو اپنے مقام پر سمجھتے ہیں لیکن اس کے بعد تو شاعر نے حد کر دی۔ کہتا ہے:

تشریف لائے پینے کو ذوالقدر مرسلین
کچھ مسکرا کے اور کچھ شرما کے لے لیا

یعنی اللہ کے پیغمبر وہاں شرمائیں گے کہ نبوت تو ہمیں ملی تھی۔ دین کے بدلے تکلیفیں تو ہم نے اٹھائیں لیکن یہاں آکر تو ہمیں کچھ نہ ملا لہذا شرمندہ نہ ہوں تو اور کیا کریں۔ آخر میں علامہ کفایت حسین صاحب کی تقریر کا اقتباس حاضر ہے۔ تاکہ مسلمانوں کو اندازہ ہو جائے کہ ان مجوس اور یہود کے مشترکہ شاگردوں کا کیا عقیدہ ہے

ماسوائے ختمی مرتبت تمام انبیاء کے امتحان مجموعا ایک طرف اور امام حسین کے صرف ایک دن کے امتحانات دوسری طرف اگر پلہ میزان میں رکھے جائیں تو یقیناً وہ پلہ بھاری ہو گا جس میں امتحان سید الشہداء ہیں۔ اس کے بعد علامہ صاحب نے انبیاء کے امتحانوں کا جو کہ سو فیصد حقیقت پر مبنی ہیں سیدنا حسین کے امتحانات جو کربلا کے میدان میں ہوئے ہیں اور ۹۹ فیصد فرضی ہیں جو کہ ابو مخنف یہودی نے واقعہ کربلا کے تقریباً دو سو سال بعد مرتب کئے ہیں ان کا موازنہ کیا گیا ہے۔ اور نتیجہ آپ بھی پڑھ لیں۔ لکھتے ہیں:

" میں یقین کامل کے ساتھ یہ کہنے میں باک سمجھتا ہوں کہ جو شخص بھی تعصب سے الگ ہو کر اور انصاف و ایمانداری سے ان حالات کو دیکھے گا وہ بلاشبہ یہ فیصلہ دینے

میں مجبور ہو گا کہ امام حسین کے امتحانات تمام انبیاء سے بلند اور بہت زیادہ ہیں اور جب یہ حکم عقل صحیح ہے تو پھر اس قاعدہ کلیہ کے اعتبار سے جو بیان کیا جا چکا ہے یہ کہنا بلاشبہ یہ فیصلہ دینے پر مجبور ہو جائے گا کہ امام حسین کے امتحانات تمام انبیاء سے بلند اور بہت زیادہ ہیں تو یہ کہنا بلاشبہ صحیح ہو گا کہ امام حسین تمام انبیاء سے افضل ہیں

نیچے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔ ہماری یہ بات بعض تنگ نظروں کو اچھی نہیں لگے گی لیکن کیا وہ نہیں جانتے کہ وہ حسین کا فرزند ہے جو انبیاء کا امام ہو گا یعنی مہدی آخر الزمان جو دلیل افضلیت ہے اور ظاہر ہے کہ امام حسین ان سے بھی افضل ہیں ۔

اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالی تمام امت کو اس گمراہی سے بچائے ۔ آمین ۔

سفرِ حجاز

شہیدِ اسلام امام العصر علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمۃ اللہ علیہ

کے قلم سے

ادارہ ترجمان السنۃ لاہور